ہو الکل　　　　یامعین

مسلمانوں اور سکھوں کا

راستہ

۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کو انجمن اسلامیہ اور
انجمن انصار المسلمین شملہ کے جلسہ میں

خواجہ حسن نظامی دہلوی کی تقریر

کارکن حلقہ مشائخ دہلی نے ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے
تبلیغی حلقوں میں تقسیم کرنے کے لئے شائع کی

تعداد تین ہزار　　مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دھلی　　بلاقیمت
(ابرار حسین کاتب جھنجھانوی)

مسلمانوں اور سکھوں کا راستہ

۱۳۴۷ھ

الحمد للہ العظیم۔ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الکریم۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شملہ کے بہن بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی رات میں ایک ایسے راستہ کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ہندوستان کے مسلمانوں اور سکھوں میں شرکت اور ساجھے کا راستہ ہے یا جس کو میں اپنے خیال کی موافق شرکت اور ساجھے کا راستہ سمجھتا ہوں۔ یا جو ایسا ہے کہ مسلمان اور سکھ اگر غور کریں تو وہ دونوں کو شرکت اور ساجھے کا راستہ معلوم ہوگا۔

میں اس مشترک راستہ کی نسبت اپنا خیال ظاہر کرنے سے پہلے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس بیان سے ہندوؤں اور سکھوں میں تفرقہ پیدا کرنی نہیں چاہتا اور نہ سکھوں کی خوشامد کرنی چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو سکھوں کو یا سکھوں جیسے ہونہار لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے سیاسی چالیں چلا کرتے ہیں۔ مجھے نہ سیاست سے کچھ واقفیت ہے نہ میں اپنے لئے یا اپنی قوم کے لئے سیاسی چال چل کر سکھوں کو اپنا بنانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔

نہ میرا یہ مقصد ہے کہ سکھوں کو اس بیان کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کر کے ان کو مسلمان کر لینے کی ایک بنیاد قائم کروں۔ کیونکہ اس وقت میرا منشا سیاسی اور مذہبی بحث کے علاوہ کچھ اور بیان کرنے کا ہے۔

اگرچہ بعض سکھوں سے میرے ذاتی تعلقات اتنے گہرے ہیں کہ میں ان کو سگا بھائی کی طرح سمجھتا ہوں۔ اور وہ بھی مجھے ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ لیکن یہاں ذاتیات

کے تعلق سے متاثر ہو کر مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔

۱۹۱۱ء میں سکھ قوم ہندوستان میں اتنی زیادہ ہردل عزیز اور قابل توجہ نہ تھی جتنی کہ آج کل ہے۔ مگر میں نے ۱۹۱۳ء کے ایک مضمون میں شائع کرایا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں مروں تو میرا سر کسی سکھ دوست کے زانو پر ہو۔ اور یہ لکھنے کی وجہ محض یہ تھی کہ سکھ دوستوں کو میں نے ایسا سچا اور مخلص پایا تھا کہ اس خود غرض دنیا میں وہی مجھکو مرنے کے وقت پاس رہتے اچھے معلوم ہوتے تھے۔

اور اب بھی میرا یہی خیال ہے کیونکہ سکھ دوستوں سے جسقدر میرے تعلقات بڑھتے ہیں ان کے اخلاص وصداقت کے جوہر اور زیادہ نمودار ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ جوہر میرے دل پر نقش ہو جاتے ہیں۔

بہر حال آج کی تقریر میں ذاتی تعلقات سے متاثر ہو کر میں کچھ نہ کہونگا۔ یہ تقریر قومی اور جمہوری اغراض سے تعلق رکھتی ہے۔ اس واسطے آزادی کے ساتھ اپنے تعلقات کو پہلے ایک طرف رکھدوں گا۔ اور پھر کہوں گا۔ جو کچھ کہنا ہے اور جو کچھ کہنا چاہیئے۔

بھائیو! جب میں نے مسلمانوں اور سکھوں کے راستہ کی نسبت اپنی تقریر کو تیار کرنا چاہا تو سکھوں کی تواریخ گرو خالصہ کو بھی غور سے پڑھا۔

یہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی کی لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ جس کے تین حصہ ہیں مگر پہلا حصہ پڑھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ جو بات میں مسلمانوں اور سکھوں کے راستہ میں بیان کرنی چاہتا ہوں۔ وہ اسمیں بہت کچھ موجود ہے۔

پہلے حصہ میں کوئی صفحہ ایسا نہیں ملا۔ جہاں غلط واقعات درج نہ ہوں اور غلطیاں بھی ایسی غلطیاں جن کو اسکول کا ایک بچہ بھی جس کو تاریخ سے تھوڑی بہت واقفیت ہو گی کہدے گا کہ یہ بیان بالکل غلط ہے۔

کتاب کے شروع میں مسلمان بادشاہوں کے مظالم اس کثرت سے بیان کئے ہیں جو میں نے کبھی اتنے زیادہ ایک جگہ نہیں دیکھے تھے۔ مظالم کی اقسام بھی نہایت دلچسپ ہیں۔ ایسی دلچسپ جو بغیر خاص اہتمام کے اسقدر دلچسپ نہیں بن سکتی تھیں۔ بعض واقعات کے حوالہ بھی دئے ہیں۔ کہ یہ واقعہ فلاں کتاب میں ہے۔ جن میں بعض کتابیں ایسی غیر معروف ہیں جن کا نام بھی مورخین نے نہ سنا ہوگا۔ اور بعض نام مشہور کتابوں کے ہیں۔ مگر واقعات ان کتابوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ یعنی جس طرح گیانی صاحب نے ان کو لکھا ہے اس طرح تاریخوں میں نہیں ہیں۔

مثلاً صفحہ ۱۹ پر امیر خسرو کی تاریخ علائی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فیروز شاہ نے دکن کے شہر بھیلسہ میں ہندوؤں کے بے شمار بت جمع کرائے۔ اور وہ روزانہ ایک ہزار ہندوؤں کو قتل کرکے ان کے خون سے بتوں کو غسل کراتا تھا۔ اور مدت تک ایسا ہی کرتا رہا۔ یعنی ایک ہزار ہندوؤں کو روزانہ قتل کراتا رہا۔

مگر یہ واقعہ بالکل جھوٹ ہے۔ کسی تاریخ میں نہیں ہے۔ نہ امیر خسرو کی کوئی تاریخ علائی نام کی میں نے کہیں دیکھی۔

پھر صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے کہ بقول پیغمبر صاحب حدیث ذیار اللہ میں لکھا ہے کہ ہندو کافر جبتک دین محمدی قبول نہ کریں ان کو قید کرو۔ قتل کرو۔ غلام بناؤ۔

مگر پیغمبر صاحب نے کبھی ہندو کا لفظ بھی نہیں بولا۔ قید وقتل کا حکم تو کجا۔ نہ حدیث ذیار اللہ کوئی کتاب ہے۔

پھر صفحہ ۲۵ پر ہے کہ خلیفہ عمر کا یہ بھی حکم تھا کہ ہندوؤں کی کل سالانہ پیداوار و محاصل لے لی جاوے۔ صرف ان کے پاس تھوڑا سا گزارہ موافق چھوڑ دیا جاوے حالانکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہندوستان پر مسلمانوں کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ پھر معلوم نہیں انھوں نے ہندوؤں کی نسبت یہ حکم کیونکر دیا۔ اور اس کا ذکر کہاں لکھا ہے

غرض شروع سے لیکر صفحہ ۲۸ تک بے شمار واقعات نہایت بے سر و پا اور ہندووں پر مسلمانوں کے خوفناک مظالم کے لکھے گئے ہیں۔

گرو نانک صاحب کے حالات میں بھی ایسے ہی عجیب قصے ہیں۔ صفحہ ۴۷ پر گرو صاحب کا حاجی رتن صاحب سے ملنا بیان کیا گیا ہے۔ جو بھٹنڈہ میں تھے حالانکہ حاجی صاحب گرو صاحب سے سیکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے۔

صفحہ ۵۰ پر حضرت داتا گنج بخش صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بھی گرو صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حالانکہ داتا صاحب کا زمانہ گرو صاحب سے چار سو برس پہلے تھا۔

صفحہ ۷۰ پر مدینہ منورہ میں گرو نانک صاحب کے جانے کا حال لکھا ہے کہ وہاں انھوں نے امام غوث امام جعفر امام اشرف امام اعظم سے بحث کی۔

شاید گیانی صاحب نے مسلمانوں کے چار اماموں کا نام کہیں سن لیا ہوگا ورنہ کہاں ان چاروں اماموں کا زمانہ اور کہاں گرو صاحب کا زمانہ۔

پھر اسی صفحہ پر سفر بغداد کا ذکر ہے کہ وہاں پیر عبدالقادر (یعنی حضرت غوث الاعظم) ان سے ملنے آئے۔

حالانکہ حضرت غوث الاعظم گرو صاحب سے سیکڑوں برس پہلے رحلت کر چکے تھے۔

ان تمام غلط بیانیوں کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوگیا کہ گیانی صاحب نے جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا۔ بلکہ ایک خاص سبب سے ان کا اور ہندوستان کے اکثر غیر مسلموں کا رجحان یہی ہوگیا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کے خلاف باتیں سنیں اور قبول کرلیں۔

کیونکہ گیانی صاحب کی پیدائش سے بہت پہلے ہندوستان میں ایک جماعت ایسی نمودار ہوئی تھی۔ جس نے اپنی زندگی کا مقصد مسلمان قوم اور مسلمان حکومت کے

خلاف غلط واقعات اور مسلمانوں کے مظالم کے فرضی قصے تصنیف کرنا قرار دے لیا تھا۔

پھر جب سمندر پار کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے بھی عجیب وغریب غلط تاریخیں اسکولوں اور کالجوں میں جاری کیں۔ تاکہ ہندوستانی اقوام میں تفریق پیدا ہو۔ اور اجنبی حکومت ہمیشہ مستقل طور سے قائم و برقرار رہے۔

بھائی گیانی صاحب کی اس کتاب نے مجھے اس گہری حکمت عملی کا ایک معمولی سا روشن دان دکھایا۔ جو صدیوں سے تاریخوں۔ گیتوں۔ ساکھوں اور کہاوتوں اور زبانی قصوں اور بھاٹوں کے گیتوں میں مسلمانوں کے خلاف مواد جمع کر رہی تھی۔

بھائی گیانی صاحب کو میں اس غلط بیانی کا موجد نہیں سمجھتا۔ کیونکہ سکھ قوم اپنے خصائل کے لحاظ سے کسی برائی اور جھوٹ کی موجد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بھائی گیانی صاحب ایک باقاعدہ مگر پوشیدہ جماعت کے مقلد ہیں۔ جو ہندوؤں کے دلوں و دماغوں اور ذہنوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلانے کا کام کیا کرتی تھی۔ اور اب زیادہ شد ومد سے کر رہی ہے۔ بھائی گیانی نے جو کچھ سنا وہی لکھ دیا۔ یہ غور نہ کیا کہ اس میں سچ کتنا ہے اور جھوٹ کتنا ہے۔

لہٰذا اب مجھے مسلمانوں اور سکھوں کے مشترک راستہ کے بتلانے اور ان غلط فہمیوں سے بچانے کی پوری ضرورت ہے۔

مسلمانو! تم بھی سکھوں کی نسبت بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو۔ تم نہیں جانتے کہ سکھ کون ہیں۔ اگرچہ ان کی صورتیں دیکھتے ہو انکی داڑھیاں۔ ان کے سر کے بال اور ہاتھ کے کڑے تم کو نظر آتے ہیں۔

تم نہیں جانتے کہ سکھ مذہب کیا ہے۔ حالانکہ ان کے گرنتھ صاحب اور گردوارے روز تمہاری نظروں سے گزرتے ہیں۔

آج تم پنجاب کے پہاڑ پر ہو۔ وہ پنجاب جہاں سکھوں کی حکومت تھی۔ وہ پنجاب

جہاں سکھوں کی ریاستیں اب بھی موجود ہیں۔ وہ پنجاب جہاں سکھ مذہب نمودار ہوا وہ پنجاب جہاں تم سکھوں پر حاکم تھے۔ وہ پنجاب جہاں تم سکھوں کے محکوم بھی ہوئے اور وہ پنجاب جہاں تم دونوں ایک دوسری قوم کی رعایا ہو۔ مگر بتاؤ کہ تم نے کبھی بھی سکھوں کو اور ان کے مذہب کو بحیثیت قوم جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی۔

آج اگر ڈاکٹر کچلو اکالی سکھوں کی حمایت میں قدم اٹھاتے ہیں تو تم میں سے بعض ان کو کچلو سنگھ کا خطاب دیتے ہیں۔ کیونکہ تم کو اپنے اور سکھوں کے مشترک راستہ سے واقفیت نہیں ہے۔ اور تم سکھوں کو اپنا حریف اور دشمن قوم خیال کرتے ہو کیونکہ تم کو اپنے اور سکھوں کے متحدہ راستہ کی خبر نہیں ہے۔

تم میں سے بعض نے سکھوں کی نسبت اور ان کے مذہب کی نسبت کچھ لکھا اور کچھ سمجھا تو ساری قوم کو بتانے اور سمجھانے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ تمہارے اندر صحیح احساس اپنے اور سکھوں کے ملے ہوئے راستہ کا نہ تھا۔

مگر اب وقت آگیا ہے کہ تم سکھوں کو سمجھو سکھ مذہب کو سمجھو اور اپنے اور ان کے مربوط راستہ کو سمجھو۔

بھائیو! اب وہ زمانہ نہیں ہے۔ جب تم کو سکھوں کے عروج سے اپنی حکومت کے زوال کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ وہ وقت آیا اور چلا بھی گیا۔

اب سکھوں کی مخالفت کر کے تم پنجاب کے حکمران نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ پنجاب اب سکھوں کے قبضہ میں بھی نہیں ہے۔

جس طرح شیعہ تحریک جو بنی فاطمہؓ کو خلافت دلانے کے لئے شروع ہوئی تھی اب سیاسی لحاظ سے بے نتیجہ ہو گئی ہے۔ کیونکہ خلافت نہ سنیوں کے پاس رہی نہ بنی فاطمہ کے لئے حصول خلافت کا موقع رہا۔ اب شیعہ سنی کا خلافت کے لئے لڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عمر قید کے دو قیدیوں کے ہمدرد اس بات پر تکرار کریں۔ کہ یہ گھر فلاں قیدی کی ملکیت

ہے۔ کیونکہ جن قیدیوں کے گھر کے لئے وہ لڑتے ہیں ان قیدیوں کا گھر تو اب جیل خانہ ہے ان قیدیوں کو اب اس آزادی کے گھر سے کیا سروکار ہے۔ ان کی بلا سے اس گھر میں تم رہو یا ہما رہے۔ وہ تو ساری زندگی جیل خانہ میں رہیں گے۔

پس جب تم دونوں شیعہ سنی غیر قوم کے محکوم ہو تو پھر کس منہ سے خلافت کے لئے لڑتے ہو۔ بنی فاطمہ کو خلافت کیا دلواؤ گے تم خود تو دوسرے کے مقید ہو۔

سکھوں سے بھی تمہارا اختلاف سیاسی وجوہات کی بنا پر شروع ہوا تھا۔ لہذا اب جبکہ مسلمانوں اور سکھوں کی حالت ایک ہوگئی۔ اور حصول حکومت کا موقع دونوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ تو پھر اس سیاسی اختلاف کی اب کیا ضرورت ہے۔ جس کو تم نے دماغ اور دل کے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ رکھا ہے۔

سنو مسلمانو! تم موحد ہو۔ خدا کو ایک مانتے ہو سکھ بھی موحد ہیں۔ خدا کو ایک مانتے ہیں۔

تم غیر خدا کی عبادت نہیں کرتے سکھ بھی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ اور توحید میں تمہارا ان کا راستہ ایک ہے۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی اور رسول سمجھتے ہو سکھ بھی اپنے گرو کو خدا کا راستہ بتانے والا ہادی خیال کرتے ہیں۔

تم قرآن مجید کو خدا کا کلام تسلیم کرکے اس کے احکام پر عمل کرتے ہو سکھ بھی گرنتھ صاحب کتاب کو اپنے مذہب کی رہنما سمجھتے ہیں۔ اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

جو اخلاقی تعلیم جھوٹ۔ غیبت۔ ظلم۔ دغا۔ چوری۔ زنا۔ نشہ بازی۔ وغیرہ کے خلاف تمہارے ہاں ہے وہی ان کے ہاں ہے۔

جن اچھی اخلاقی باتوں کی اسلام نے تاکید کی ہے ان ہی اچھی باتوں کی سکھوں کے ہاں تاکید ہے۔

تم تہجد کے وقت بیدار ہو کر عبادت کرتے ہو سکھوں کے ہاں بھی پچھلی رات کو بیدار ہو کر عبادت کا حکم ہے۔

غرض تم میں اور سکھوں میں کوئی بات مذہبی اختلافات کی نہیں ہے۔ اور جو ہے تو وہ بہت ہی ادنیٰ اور حقیر بات ہے جس کا اصول مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تم انصاف وعقل سے غور کرو گے تو خود مان جاؤ گے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ اور ہم کو سکھوں سے ایسی معمولی بات پر اختلاف نہ کرنا چاہیئے۔

صرف ایک جھٹکہ کا مسئلہ ہے جس پر پنجاب کے سکھوں اور مسلمانوں میں درمیانی دشمن اکثر اختلاف پیدا کرا دیتے ہیں۔

جھٹکہ جانور کو گوشت حاصل کرنے کے لیے ہلاک کرنے کا نام ہے۔ تم بھی جانور کو چھری سے حلال کرکے بے جان کر دیتے ہو سکھ بھی جانور کی گردن کاٹ کر اس کو بے جان کر دیتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم آدھی گردن کاٹتے ہو اور وہ پوری گردن کاٹ دیتے ہیں۔

تمہارے مذہب نے اگر ایسے گوشت کھانے کی اجازت نہیں دی جس کی گردن بالکل کٹ گئی ہو تو تم ایسا گوشت نہ کھاؤ۔ مگر یہ حق تمہیں کہاں سے حاصل ہو گیا کہ کوئی دوسرا بھی اپنے رواج کے موافق گوشت تیار نہ کرے۔

یورپ والے مرغی کی گردن مروڑ ڈالتے ہیں۔ گائے بکری کی گردن مشین سے بالکل اڑا دیتے ہیں۔ مگر تم ان پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ اکثر مسلمان یورپ کے سفر میں یہی گوشت کھاتے ہیں۔ پھر تم سکھوں پر کیوں اعتراض کرتے ہو۔ کہ وہ جھٹکہ کھاتے ہیں

ہندو اگر گوشت نہ کھائیں تو تمہیں ان پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔ اور مسلمان عیسائی سکھ لوگ اگر گوشت کھاتے ہیں تو ہندوؤں کو کسی کے روکنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ خوراک کے معاملہ میں ہر قوم کو آزاد ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی مرضی کی موافق جو

چاہے کھائے۔ اس کو اگر روک ٹوک ہوسکتی ہے تو خاص اس کے مذہب کی ہونی چاہیئے غیر مذہب والوں کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔

جانور کو حلال کرنا مسلمانوں کا حق ہے تو جانور کا جھٹکہ کرنا سکھوں کا حق ہے۔

دال اور سبزی کھانا ہندوؤں کا حق ہے تو ان کا بھی حق ہے جو دال اور سبزی کھاسکتے ہیں۔ ہندو یہ نہیں کہہ سکتے چونکہ ہم دال سبزی کھاتے ہیں اسواسطے تم نہ کھاؤ۔

ہندو اگر الٹے توے پر روٹی پکاتے ہیں تو مسلمان اس پر اعتراض نہیں کرسکتے ہندوؤں کو اس کام میں آزادی ہے اور مسلمان اگر سیدھے توے پر روٹی پکاتے ہیں تو ہندوؤں کو اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے۔

جھٹکہ کے گوشت سے تم کو چڑنا نہ چاہیئے بہادر اور عقلمند قومیں ایسی چھوٹی چھوٹی فضول باتوں کا خیال بھی نہیں کرتیں۔ یہ تو تمہارے اور سکھوں کے مشترکہ حریفوں نے روز روز کے پروپیگنڈا سے جھٹکہ کے گوشت کو سور کے گوشت کی طرح تمہاری نظروں میں قابل نفرت بنا دیا ہے ورنہ اس میں کوئی نفرت کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ سکھ بھی جھٹکہ کے وقت خدا کا نام لیتے ہیں۔ یورپ والوں کی طرح چپ چاپ جانور کو ہلاک نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے سب کام مذہبی رنگ کے ہوتے ہیں۔ اور سکھ ہر بات میں خدا کا نام لیتے ہیں گو انکی زبان میں خدا کا نام لینے کے الفاظ دوسرے ہیں۔

سکھوں کو حکم ہے کہ جب وہ جانور کا جھٹکہ کریں تو جپ جی صاحب کی پہلی پوڑی پڑھیں۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اِیکْ اُونْکارْ (اللہ ایک ہے) سَتْ نامْ (اس کا نام سچا ہے)

کَرْتاَ پُرْکھ (وہ خالق کائنات ہے) نِرْبھَوْ۔ (اس کو کسی کا خوف نہیں ہے)

نِرْوَیرْ۔ (اس کو کسی سے عداوت نہیں) اَکالْ مُورَتْ۔ (وہ غیر فانی ہے)

اَجُوْنِی سَیْبھَنگْ۔ (وہ جونیں نہیں بدلتا) گُرْپَرسَادْ۔ (یہ گورو کی ہدایت سے معلوم ہوا)

اب اس عبارت کے دیکھنے سے جمعیت علمار اور تمام ہندوستان کے عالمان شریعت خود ہی فیصلہ کریں گے۔ کہ تکبیر کے مطلب اور سکھوں کے ان فقروں کے مطلب میں ایسا کیا فرق ہے جس سے جھٹکہ کی مخالفت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی تعریف جانور کو ذبح کرنے کے وقت مسلمان بھی کرتے ہیں۔ اور سکھ بھی کرتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ گردن کا بالکل الگ کر دینا ازروئے حکم شرع کیسا ہے۔ اور اسلام نے اس کی نسبت کیا حکم دیا ہے۔ اگر آدھی گردن کاٹنے اور ساری گردن کاٹنے کی نسبت کوئی خاص حکم قرآن وحدیث وفقہ میں ہے تو علمار اسکو مشرح بیان کریں گے تاکہ جھٹکہ کا مسئلہ صاف ہو جائے اور مسلمانوں اور سکھوں کی لڑائیاں ختم ہوں۔

میں نے جھٹکہ کے مسئلہ کو جمعیت علمائے ہند کے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ ازروئے حکم شرع مسلمانوں کو صاف صاف بتایا جائے۔ کہ جھٹکہ میں ایسی کونسی خلاف شرع بات ہے جس کا اثر مسلمانوں کے مذہب پر پڑتا ہے۔ اگر بالفرض کوئی بات اسلام کے خلاف جھٹکہ میں موجود بھی ہو تب بھی مسلمانوں کو دوسری قوم کے حقوق مذہب میں مداخلت کرنے یا اس سے ناراض ہونے کا حق نہیں ہے۔ سب سے زیادہ بت پرستی مسلمانوں کے خلاف ہے۔ مگر کیا وہ بت پرستوں کو بت پرستی سے ازروئے قانون روک سکتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی حکومت تھی تب بھی وہ بت پرستی کو قانوناً نہیں روکتے تھے۔ اور جھٹکہ میں تو کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس سے اسلام پر اثر پڑتا ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے اور علمار اس کا فیصلہ کردیں کہ جھٹکہ کا گوشت مسلمانوں کو حرام ہے تو بیشک حلال گوشت اور جھٹکہ کے گوشت کو ایک جگہ ملا کر نہ رکھنا چاہیئے۔ تاکہ مسلمان غلطی سے وہ گوشت نہ کھالیں جو ان کے ہاں ناجائز ہے اس کے سوا اور کوئی مزاحمت جھٹکہ کے معاملہ میں مسلمانوں کو نہ کرنی چاہیئے۔

اور پنجاب کے علمار اور لیڈروں کا بھی فرض ہے کہ وہ پوری کوشش کے ساتھ جھٹکہ کے مسئلہ کا تصفیہ کردیں تاکہ مسلمانوں اور سکھوں میں آئے دن کی یہ فضول

لڑائیاں بند ہوجائیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ جمعیت علمائے ہند بہت جلد ایک اعلان شائع کرنے والی ہے۔ جسمیں جھٹکہ کا معاملہ مسلمانوں کو شرع اسلام کی بموجب سمجھا دیا جائے گا۔ اور عوام الناس کی جہالت کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ اور پھر وہ راستہ مسلمانوں اور سکھوں کو نظر آجائے گا۔ جو ان دونوں میں مشترک ہے۔

اب میں سکھ بھائیوں سے بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں خصوصاً گردوارہ پربندھک کمیٹی اور تمام ممتاز سکھ لیڈروں سے مجھے کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان میں سے اکثر نہایت معقول پسند ہیں۔ اور وہ مخلصانہ بات اور مکارانہ چال کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور وہ اس گروہ میں نہیں ہیں۔ جو کہنے والے کی اچھی بُری شخصیت پر نظر ڈالیں۔ بلکہ وہ بات کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ کیسی ہے۔ خواہ کسی آدمی کے منہ سے نکلی ہو۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اس کو دیکھ کہ کیا کہا۔ اس کو نہ دیکھ کہ کس نے کہا۔

جو سکھ یہاں موجود ہیں وہ بھی میرے مخاطب ہیں۔ اور جو یہاں نہیں ہیں ان سے بھی مجھے یہی کہنا ہے کہ

میرا نام حسن نظامی ہے جس کو تبلیغ کا اوتار کہا جاتا ہے اور جس کی ہر بات پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ اسمیں اشاعت اسلام کی کوئی چال ہوگی۔ اسلئے پہلے مجھے صفائی سے ظاہر کر دینا ہے کہ ہاں میں تبلیغ کا حامی ہوں۔ ہاں میں توحید کا پرستار ہوں اور ہاں میں نے آریہ سماجی شدھی کے مقابلہ میں کچھ کام کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مسلمانوں اور توحید پرستوں کی خدمت کرتا رہوں گا۔

مگر میں سکھوں کو مسلمان کرنا نہیں چاہتا نہ میرے عقیدہ میں سکھوں کو مسلمان کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان میں کوئی اصولی بات اسلام کے خلاف مجھے معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کوئی ایسی بات سکھ مذہب میں ہو جو اصول اسلام کے خلاف ہو۔ لیکن بیس سال کی ذاتی معلومات کے بھروسے سے کہتا ہوں کہ مجھے تو سکھ ازم میں اصول اسلام کے خلاف کوئی

بات معلوم نہیں ہوئی۔

بے شک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سکھ لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اس رسالت کے مقصد کو مانتے ہیں۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں خدا کا یہ پیغام لائے تھے کہ خدا کو ایک مانو۔ اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور کسی غیر خدا کی عبادت نہ کرو۔

جیقدر سکھ ہیں وہ سب خدا کو ایک مانتے ہیں۔ اور اس کی ذات وصفات میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتے۔ اور کسی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ گویا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام اپنی رسالت کے ذریعہ لائے تھے۔ اس کو سکھ قوم تمام وکمال تسلیم کرتی ہے۔ تو وہ لفظ رسالت کو نمانے مگر مقصد رسالت کو تو مانتی ہے۔

پھر مجھے سکھوں کو مسلمان کرنے یا مسلمان کرنے کی خواہش کرنے یا سکھوں میں اشاعت اسلام کے لئے کوئی توڑ جوڑ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس واسطے میں جو کچھ سکھوں سے کہنا چاہتا ہوں اس میں کوئی تبلیغی حکمت عملی نہیں ہے۔

خالصہ بھائیو۔ جو منزل آپ کی ہے وہی مسلمانوں کی ہے۔ جس مقصد کے حصول کی آپ کا مذہب حکم دیتا ہے اسی مقصد کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے سامنے رہتا ہے یعنی آپ بھی خدا کو ایک مانتے اور ایک جانتے۔ اور اس کی ذات وصفات میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتے۔ اور اسی کی وحدت وتوحید کے ذریعہ اس کی رضا مندی حاصل کرنا آپ کا مقصد اور آپ کے سفر زندگی کی منزل ہے۔ اور مسلمانوں کا مذہبی مقصد بھی یہی ہے۔ اس لئے آپ کا اور مسلمانوں کا مذہبی راستہ مشترک ومتحد ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو غیر نہ سمجھیں۔ بلکہ اپنے مذہب کے مقاصد کا ساجھی اور شریک تصور کریں۔

اختلاف کی جڑ آپ سب جانتے ہیں۔ کہ جناب گرونانک صاحب نے سکھ مذہب کی بنیاد اس زمانہ میں رکھی تھی جب ہندوستان کے ہندؤں

اور مسلمانوں کی حالت بوجہ جہالت اور بوجہ دولت پرستی اور بوجہ عیاشی و غفلت حد درجہ خراب ہو رہی تھی۔ انہوں نے دونوں فرقوں کو دیکھا کہ اپنے مذاہب کی تعلیم کے خلاف غلط راستوں پر چل رہے ہیں۔ اور دنیا پرستی اور ظلم و جور کو انہوں نے اپنا مذہب بنا لیا ہے اسواسطے انہوں نے دونوں فرقوں کو راہ راست پر لانے خدا پرستی سکھانے اور بداخلاقی سے بچانے کے لئے ہندو مسلمان فقرا کی طرح ایک نئی قسم کی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ وہ تعلیم اصول کے لحاظ سے نئی نہ تھی۔ اس کے بیان کا طریقہ البتہ نیا معلوم ہوتا تھا۔

انہوں نے اپنی تعلیم کی بنیاد توحید الہٰی کو قرار دیا تھا۔ اس لئے وہ دنیا پرست مسلمانوں اور دنیا پرست ہندوؤں کو برابر ایک ہی طریقہ سے نصیحت فرماتے تھے۔ وہ کسی مذہب کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ مگر اہل مذہب کی ذاتی خرابیوں کی جس سے ان کا مذہب بدنما ہوتا تھا مخالفت کرتے تھے۔

گرونانک صاحب کے زمانہ میں مغل قوم ہندوستان پر حملے کر رہی تھی۔ اور پٹھان قوم کی حکومت چراغ سحری بن رہی تھی۔ ایسے انقلابات کے زمانہ میں ہر ملک کی حالت خراب ہو جایا کرتی ہے۔ اور ایسے ہی وقت قدرت کسی ہادی اور رہنما کو پیدا کرتی ہے جو لوگوں کی مذہبی و اخلاقی حالت کو سنبھالے اور درست کرے۔ پس گرونانک صاحب کا ظہور ہوا اور انھوں نے وہی کام شروع کیا جس کی اسوقت ضرورت تھی۔

ان کے زمانہ تک تعلیم کا تعلق رعایا سے تھا۔ اس لئے کوئی سیاسی پیچیدگی پیدا نہ ہوئی۔ لیکن ان کے جانشینوں کا زمانہ آیا تو سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت حکمرانوں کو خطرناک معلوم ہوئی۔ اور وہ محض اپنی حکومت کے لئے سکھوں کے خلاف ہو گئے۔

یہ مخالفت سکھوں کے مذہب و عقیدہ سے نہ تھی کیونکہ سکھوں کے مذہب و عقیدہ میں کوئی بات ہی ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہوتی بلکہ یہ مخالفت محض پولیٹیکل اور سیاسی تھی۔

اور پولیٹیکل اور سیاسی معاملات میں حکمراں لوگ کبھی مذہب کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔
آپ کو معلوم ہے کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے نواسہ حضرت امام حسینؓ اور ان کے بچوں کو یزید نے محض اس وجہ سے شہید کرا دیا کہ اس کو ان سے اپنی حکومت کے خلاف سیاسی خطرہ تھا۔ حالانکہ یزید مسلمان تھا۔ بلکہ رسول اللہ کے قریبی خاندان میں تھا۔ اور جن لوگوں نے یزید کے حکم سے رسول اللہؐ کے بچوں کو شہید کیا وہ بھی مسلمان تھے۔ اور اس بات کو جانتے تھے کہ وہ رسول اللہؐ کی اولاد کو محض دنیا کے لئے شہید کر رہے ہیں۔
ہندوستان میں ہندو راجہ اپنے باپ کو۔ اپنی ماں کو۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں کو اور باپ اپنی اولاد کو محض حکومت کی خاطر قتل کرڈالتے تھے۔
راجہ کنس نے اپنی بہن کے بچوں کو محض حکومت کے لئے ہلاک کیا۔ اور سری کرشن جی نے بھی اپنے ماموں راجہ کنس کو قتل کیا۔
سری رام چندر جی کو محض حکومت کے لالچ میں ان کی سوتیلی ماں نے برسوں جنگلوں میں پھرایا۔ مہابھارت میں محض حکومت کے لئے بھائیوں نے بھائیوں کو اور شاگردوں نے استادوں کو۔ اور چیلوں نے گوروؤں کو قتل کیا۔
جہانگیر اپنے چاہنے والے عاشق باپ اکبر سے محض حکومت کے لئے باغی ہوا۔ شاہجہان نے بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ فقط حکومت کے لئے بدسلوکیاں کیں۔ عالمگیر نے اپنے باپ کو قید کیا۔ بھائیوں کو مارا۔ کیوں؟ محض حکومت کے لئے۔
جلال الدین خلجی نے حضرت سیدی مولا جیسے درویش کو محض اس شبہ پر ہاتھی سے چروا دیا کہ وہ حکومت کے خلاف سازش میں مصروف ہیں۔ اور حضرت سرمد کو عالمگیر نے صرف اس شبہ میں قتل کرا دیا کہ وہ داراشکوہ کے ہمدرد ہیں۔ اور لوگوں کو دارا کی حمایت کا جوش دلاتے ہیں۔

آجکل نوجوان ترکوں نے حضرت سید ابو الہدیٰ کو اتنی سی بات پر جیل خانہ بھیجدیا کہ وہ سلطان عبد الحمید خان کے پیر تھے۔ اور بچارے سید صاحب جیل ہی میں مرگئے موجودہ حکومت تو سامنے موجود ہے وہ سیاسی مصلحت سے جو کام کرتی ہے اسکو سب جانتے ہیں۔ پس آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ سکھوں کے گرو صاحبان کے ساتھ اگر مسلمان حکومتوں کے زمانہ میں زیادتیاں ہوئیں تو اُس وجہ سے نہیں کہ مسلمان سکھ مذہب کے دشمن تھے۔ بلکہ پولیٹکل اور سیاسی اسباب سے یہ سب کچھ ہوا۔

ان مظالم کے بانی مگر افسوس ہے کہ گرو صاحبان پر جو ظلم ہوئے اس کے بانی ہندو صاحبان تھے۔ سکھوں کی تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے۔ کہ مسلمان حکمران اس ظلم وجور کو بہت برا سمجھتے تھے۔ مگر مسلمان بادشاہوں کے ہندو عہدہ دار ان کو مجبور کر کے ظلم کراتے تھے۔

بلکہ چندو لال صاحب کے حالات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مسلمان حاکم کی اطلاع کے بغیر گرو صاحبان پر محض اپنی ذاتی عداوت سے ظلم کئے۔

کیا آپ پانچویں گرو ارجن صاحب کے حالات کو نہیں جانتے جن کے خلاف اکبر بادشاہ کے ہاں دیوان چندو لال نے عرضی دی کہ گرو صاحب نے اسلام کے خلاف کتاب لکھی ہے۔ مگر جب اکبر نے تحقیقات کی تو دیوان چندو لال کا بیان جھوٹ نکلا۔ اور اکبر نے گرو صاحب کی بڑی عزت کی۔

پھر جہانگیر کے زمانہ میں اسی چندو لال نے بناوٹی الزامات گرو صاحب پر لگائے اور ان کو قید کرایا۔ اور خود چندو لال نے بادشاہ کی اطلاع کے بغیر گرو صاحب پر گرم ریت ڈالی۔ اور ان کو مردہ گائے کی کھال میں سینے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ انھی سختیوں اور ظلم وجور کی حالت میں جو چندو لال نے گرو صاحب پر کیں گرو صاحب کا انتقال ہوگیا۔

اور دبستان مذاہب کے بیان کی موافق چند ولال نے گرو صاحب کو لاہور کے نیچے دریا میں غرق کرا کے شہید کر دیا۔ مگر کیسی حیرت کا مقام ہے کہ جو ظلم ہندوؤں نے گرو ارجن صاحب پر کئے اور مسلمان حکومت کی بے خبری میں کئے اور مسلمان حکومت کی بے اجازت کئے اس کا الزام بھی مسلمانوں پر لگایا جاتا ہے۔ اور آجکل کے وہ لیڈر جو سکھوں اور مسلمانوں کو لڑانا چاہتے ہیں ان قصوں کو بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں۔ اور ان سے نہیں شرماتے۔ کہ انہی کے بزرگوں نے گرو صاحب پر ظلم کئے تھے۔ مسلمانوں کا اسمیں کچھ قصور نہ تھا۔

جب گرو ارجن صاحب پر ظلم ہو رہا تھا حضرت میانمیر صاحب درویش گرو صاحب کے پاس تشریف لائے۔ اور کہا کہ میں آپ کی مدد کو تیار ہوں۔ مگر گرو صاحب راضی برضا رہے اور امداد قبول نہ کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان قوم اور ان کے پیشوا ان مظالم کے سخت خلاف تھے۔ مگر ہندو حضرات کو ظلم کرنے میں لطف آتا تھا۔

دسویں گرو صاحب کے بچے

دسویں گرو صاحب یعنی جناب گرو گوبند سنگھ صاحب کے چھوٹے بچوں کا واقعہ اسقدر دردناک ہے کہ کوئی انسان اس کو سنکر غم کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں جب اس جگر خراش حادثہ کا حال پڑھتا ہوں تو بے قرار ہو جاتا ہوں۔ مگر خالصہ جی۔ ذرا اسکا بھی خیال کرنا کہ یہ واقعہ کیوں ہوا اس کے بانی کون تھے۔ اور کس کے زور دینے سے سرہند کے مسلمان حاکم نے ایسا کیا۔

آپ لوگ اپنے گرو صاحبان کی تاریخ سے خوب واقف ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ پہاڑوں کے ہندو راجہ گرو گوبند سنگھ صاحب سے ازحد رشک و حسد رکھتے تھے۔ جن میں عالم چند اور راجہ اجمیر چند گرو صاحب کا بہت ہی بڑا دشمن تھا۔ اس نے ہمیشہ گرو صاحب سے مقابلہ کیا اور ہمیشہ منہ کی کھائی۔ آخر راجہ اجمیر چند بہت سے ہندوؤں کو لیکر دہلی کے بادشاہ کے ہاں فریاد کرنے گیا۔ اور خبر نہیں کیسے کیسے جھوٹ بول کر بادشاہ کو گرو صاحب سے ڈرایا۔ اور بناوٹی الزام گرو صاحب پر لگائے۔ اور شاہی فوج لیکر گرو صاحب پر حملہ آور ہوا۔ اور جب کئی لڑائیوں میں راجہ اجمیر چند کو ہار ہوئی تو پھر اور شاہی فوج جمع کرائی یہانتک کہ سکھ تھک گئے۔ اور گرو صاحب نے مجبوراً انند پور خالی کر دیا۔

اس پریشانی کے زمانہ میں گرو صاحب کے دو بچے اپنی دادی کے ساتھ ایک پرانے

نمک حوار برہمن کے ہاں چلے گئے۔ تاکہ وہاں دشمنوں سے امن میں رہیں۔ مگر ہزار قلق و رنج کے ساتھ سننے کی بات ہے کہ نمک حوار برہمن ہی نے بچوں کو دشمنوں کے حوالہ کر دیا۔ اور جب حاکم سرہند کے سامنے یہ بچے پیش کئے گئے تو مالیر کوٹلہ کے نواب شیر محمد خاں نے نہایت زوردار الفاظ میں حاکم سرہند سے کہا کہ ان بچوں کا کیا قصور ہے لڑائی ان کے باپ سے ہے بچوں کو مارنے کی اسلام نے سخت مخالفت کی ہے۔ لیکن جناب دیوان سچا نند صاحب کہتری سے نہ رہا گیا۔ اور انہوں نے حاکم سرہند سے کہا ع عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

یعنی بھیڑیہ کا بچہ آخر بھیڑیہ ہی ہو جاتا ہے۔ اسواسطے ان بچوں کو ضرور قتل کر دینا چاہئے

اس قصہ کو بھائی گیان سنگھ صاحب گیانی نے تواریخ خالصہ اول کے صفحہ ۷۷ اپر تفصیل سے لکھا ہے کہ ایک مسلمان نواب نے تو بچوں کی جان بچانی چاہی مگر ایک ہندو کہتری صاحب نے بچوں کے قتل پر زور دیا۔ یہانتک کہ حاکم سرہند نے اپنے ہندو دیوان کے اصرار سے ان بچوں کو قتل کرا دیا۔

میں دیکھتا ہوں۔ آپ بھی دیکھتے ہیں اور سارا ہندوستان دیکھتا ہے کہ ہر سال ہندو اخبار اور ہندو لیڈر ان بے گناہ بچوں کا ذکر لکھ کر سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلاتے ہیں۔ مگر کوئی اس پتہ کی بات کو نہیں لکھتا کہ اس سخت ظلم کے اصلی بانی اور اصلی محرک ایک ہندو صاحب تھے۔ اور مسلمان نواب مالیر کوٹلہ نے حاکم سرہند کو اس جفاکاری سے روکا تھا۔

ہر مسلمان جب گرو صاحب کے بچوں کا دردناک حال سنتا ہے تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ واقعہ ایسا سخت ہوا ہے کہ تاریخ ہمیشہ اس پر ماتم کرتی رہے گی۔ مگر تاریخ یہ بھی یاد دلائے گی کہ بچوں کے قتل کے بانی راجہ اجمیر چند تھے۔ جو گورو گوبند سنگھ صاحب پر چڑھ کر گئے۔ اور دہلی کی فوج چڑھا کر لائے۔ اور جنھوں نے بادشاہ کو گرو صاحب کے خلاف جھوٹی رپورٹوں سے بھڑکایا۔

اور اس قتل کا باعث گرو صاحب کا وہ نمک پروردہ برہمن تھا جو موضع کھیڑی میں رہتا تھا۔ اور جس نے تمام عمر گرو صاحب کی داد دہش سے پرورش پائی تھی۔ اور جس نے اپنے گھر پر آئے ہوئے آقازادوں کو دشمن کے حوالہ کر دیا۔ اور اس کو یہ خیال نہ آیا۔ کہ برہمن کو ایسا نہ

کرنا چاہیے۔ ایک کمین سے کمین آدمی کے ہاں کوئی شخص پناہ لیتا ہے۔ تو وہ اس کی حفاظت میں اپنی جان گنوا دیتا ہے۔

مگر اس اونچی ذات والے برہمن نے گرو صاحب کے احسانات بھی طاق میں رکھدیئے اور ذاتی ہمدردی و شرافت کو بھی دل سے دور کر دیا۔ اور ہندو دھرم کا بے مثل اصول دیا دھرم کا مول ہے بھی برہمن دیوتا نے لالچ اور دبھ کی دیلی کے قدموں میں ڈال کر بچوں کو خود مخبری کرکے دشمن کے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔

آج جناب پوجیہ پنڈت مدن موہن مالوی جی بار بار گرو صاحب کے ان بچوں کا قصہ بیان کرکے سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلاتے ہیں۔ مگر ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ اصلی خطا تو خود انہی کے ہم قوم برہمن کی تھی۔

حاکم سرہند نے جو کچھ کیا بہت ہی برا کیا۔ خواہ وہ ہندو دیوان سچانند کے اصرار اور اغوا سے کیا خواہ راجہ اجمیر چند کی خوشی کے لئے کیا۔ مگر اس نے گناہ کیا۔ اور بہت بڑا گناہ کیا۔ مسلمان قوم مذہب اسلام کی تعلیم کی بموجب اس شرمناک اور دردناک واقعہ کو دلی رنج اور صدمہ سے یاد کرتی ہے۔ اور اس کو تاریخ کے آخر زمانہ تک اس واقعہ کا افسوس رہے گا۔ کاش سچانند کھتری کی برادری اور رسوئے برہمن کی برادری بھی آج اپنے ہم قوم افراد کے فعل پر افسوس کرتی۔

خود گرو گوبند سنگھ صاحب کے ساتھ بھی اس ہنگامہ میں مسلمانوں کا سلوک اور ہندوؤں کا سلوک زمین آسمان کا فرق دکھاتا ہے۔

چنانچہ تواریخ خالصہ حصہ اول کے صفحہ ۱۷۹ پر درج ہے۔ کہ جب گرو گوبند سنگھ صاحب قصبہ ماچھی واڑہ میں بحالت پریشانی پہنچے۔ تو غنی خاں نبی خاں کے باغ میں ٹھہرے ان مسلمانوں کو خبر ہوئی تو وہ بڑی خاطر داری کے ساتھ گرو صاحب کو اپنے مکان پر لے گئے۔ اور اس بات سے بالکل نہ ڈرے کہ بادشاہ دہلی ناراض ہوگا۔ اور یہ مشہور کر دیا کہ ہمارے پیر آئے ہوئے ہیں۔

پھر جب دشمنوں نے یہاں بھی یورش کی تو گرو صاحب کے مسلمان اتالیق قاضی پیر محمد خاں جن سے گرو صاحب نے فارسی پڑھی تھی مدد کو آئے اور ان سب

مسلمانوں نے مل کر گرو صاحب کو اسلامی فقیر کے لباس میں دشمن سے بچا کر آگے روانہ کر دیا۔

مگر اس کے مقابلہ میں اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۰ پر لکھا ہے کہ جب گرو صاحب مقام مہیر میں پہنچے۔ تو ایک ہندو پیشوا کرپال داس کے ہاں ٹھہرنا چاہا۔ لیکن کرپال داس صاحب نے ٹھہرانے سے صاف انکار کر دیا۔ کہ آپ شاہی مخالف ہیں۔ آپ کے سبب میری جان بھی جائے گی۔

خالصہ جی۔ میرا مقصد ان واقعات کے بیان کرنے سے یہ نہیں ہے کہ آپ کو ہندوؤں کے خلاف غصہ دلاؤں۔ بلکہ میں نے ان کو اس واسطے بیان کیا ہے کہ آپ آج کل کے آریہ اور ہندو اخباروں اور لیڈروں کی باتوں کو سنکر مسلمانوں سے بگاڑ پیدا نہ کریں۔ اور آپ کو اصلی حقیقت معلوم رہے کہ پہلے جو کچھ ہوا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ مسلمان بادشاہ آپ کے مذہب کے دشمن تھے۔ بلکہ اس کی وجہ سیاسی اور پولٹیکل تھی۔ جس طرح بادشاہوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں اور اپنے قرابتداروں کو ملکی حکومت کے لئے مارا۔ اسی طرح انھوں نے سکھوں کے ساتھ بھی بدگمانیاں اور سختیاں کیں۔ مگر ان زیادتیوں کے اصلی باعث یہی ہندو صاحبان تھے۔ جو آپ کو مسلمانوں کے مظالم کے قصے سناتے ہیں۔

یاد رکھیئے۔ مسلمانوں کا اور سکھوں کا توحیدی راستہ ایک ہے۔ اور مسلمانوں اور سکھوں کے مذہبی عمل کا راستہ ایک ہے۔

اور مسلمانوں اور سکھوں کے دل اور دماغ کا راستہ ایک ہے کیونکہ مسلمان بھی بناوٹی میل جول اور جھوٹی دوستی اور دکھاوے کی ہمدردی نہیں کر سکتے اور سکھ بھی ان باتوں سے آزاد ہیں۔ اس لئے کہ بہادر اور مضبوط آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان کو فرضی چاپلوسی اور خوشامد کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

یہ بھی یاد رکھیئے!

کہ ہندوستان کی اصلی خدمت وہی قوم کر سکے گی جو ذاتی اغراض سے پاک ہو۔ یا ملکی

اغراض پر ذاتی اغراض کو فوقیت نہ دیتی ہو۔

میں مانتا ہوں کہ آج کل مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو ذاتی خواہشات کی غلامی کرتے ہیں۔ اور ملک کے مشترکہ مفاد کو پس پشت ڈال دیتے ہیں مگر سب مسلمان ایسے نہیں ہیں۔ وہ بحیثیت قوم سکھوں کی طرح بات کے دھنی ہیں۔ اور وقت پر اپنے رفیق پر قربان ہو جانا جانتے ہیں۔ وہ طوطا چشمی نہیں کرتے۔ دغا نہیں دیتے۔

مسلمان وہ قوم ہے جو معمولی احسان کو تمام عمر یاد رکھتی ہے۔ اور سکھ بھی عقیدۂ توحید کے سبب ایسی ہی شریف خصلت والی جماعت ہے۔ اور اس معاملہ میں مسلمانوں اور سکھوں کا راستہ ایک ہی ہے۔

جو مسلمان سکھوں کو مسلمان کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل سکھوں سے واقف نہیں ہیں۔ سکھوں کا راستہ اور مسلمانوں کا راستہ توحید کے عقیدہ میں ایک ہی ہے کچھ فرق نہیں ہے۔

جو سونا ہے اس کو دوبارہ سونا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہیرا ہے اس کو از سر نو ہیرا بنانا بیکار ہے۔ اس لئے میں آپ کو مسلمان بنانے کے لئے کوئی کام کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ آپ کو اور مسلمانوں کو محبت اور اخلاص کے ایک راستہ پر لانا اور گذشتہ سیاسی جھگڑوں کو دل سے بھلا دینا چاہتا ہوں۔

میری خواہش ہے کہ سکھ اور مسلمان آپس میں چھوت چھات نہ کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھائیں۔

اگر جھٹکہ کا مسئلہ مسلمان علما نے حل کر دیا تو آپ کے لیڈروں کو بھی تکبیر کے گوشت پر غور کرنا ہوگا۔ کہ اس کے استعمال میں کیا برائی ہے۔ مسلمان جانور کو حلال کرتے وقت یہ پڑھتے ہیں۔

بسم اللہ ۔ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ

اللہ کے نام کے ساتھ۔ اللہ بڑا ہے۔ اور سوائے ایک اللہ کے دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔

اب ذرا چپ جی صاحب کی پہلی پوڑی کے مضمون اور مسلمانوں کی تکبیر کے مضمون کو ملا کر دیکھئے۔ کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

پھر آپ تکبیر کے گوشت سے اسقدر نفرت کیوں کرتے ہیں۔

سنو خالصہ جی

اس نفرت کی وجہ بھی محض گذشتہ پولٹیکل واقعات ہیں۔ اور اب ان باتوں کے یاد رکھنے کا زمانہ نہیں ہے۔

ایک بات اور بھی مجھے آپ سے اور گردوارہ پربندہک کمیٹی سے اور تمام سکھ لیڈروں سے کہنی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض دیہات میں سکھ لوگ مسلمانوں کو اذان نہیں کہنے دیتے۔ جب یہ جھگڑے میں سنتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ سکھوں جیسی توحید پرست قوم اذان سے اسقدر نفرت کیوں کرتی ہے؟

جہاں تک میں نے غور کیا مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ ایک تو وہی پولٹیکل اور پرانے زمانہ کی نفرت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سکھ بھائی اذان کے معنی نہیں جانتے۔ ان کا خیال ہوتا ہوگا کہ اذان کے عربی الفاظ میں شاید سکھوں کے عقائد کے خلاف کوئی بات ہوگی۔ اس واسطے وہ اذان کو روکتے ہیں۔ لو میں آج اذان کے عربی الفاظ کا ترجمہ سمیت آپ کو سناتا ہوں۔ اور ہو سکا اور آپ لوگوں نے اپنے ذریعہ اس کے شائع کرنے کا وعدہ کیا تو میں اذان کا گورمکھی ترجمہ بھی تیار کرا دوں گا۔ تاکہ گاؤں کے سکھ بھائی اذان کا مطلب سمجھ سکیں۔ اور ان کی اذان سے نفرت دور ہو۔

سنئے۔ اذان میں بزبان عربی یہ الفاظ ہیں۔ اور ان کا مطلب ہے
پہلے چار بار کہتے ہیں اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر
اس کے معنی ہیں۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اس کے بعد دو بار کہتے ہیں
اشھد ان لا الہ الا اللہ اس کے معنی ہیں کہ میں گواہی
دیتا ہوں کہ سوائے ایک خدا کے دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔
پھر دو بار کہتے ہیں اشھد ان محمد رسول اللہ
اس کے معنی ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔
پھر دو بار کہتے ہیں حی علی الصلوٰۃ اس کے معنی ہیں آؤ نماز کے لئے آؤ۔
پھر دو بار کہتے ہیں حی علی الفلاح اسکے معنی ہیں کہ آؤ اچھے کام کے لئے آؤ۔
پھر دو بار کہتے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر جس کے معنی ہیں اللہ بڑا ہے اللہ بڑا ہے
پھر آخر میں کہتے ہیں لا الہ الا اللہ جسکے معنی ہیں کہ سوائے ایک خدا کے دوسرا
خدا نہیں ہے۔

لیجئے بس یہ پوری اذان ہے۔ اب بتایئے کہ اس میں کونسا فقرہ اور کونسا لفظ
سکھ مذہب کے خلاف ہے۔ اور کس لفظ سے سکھوں کو نفرت کرنی کی ضرورت ہے میں
تو خیال کرتا ہوں کہ جب سکھوں کو اذان کے معنی اور مطلب سے آگاہی ہوگی تو وہ فوراً
کہدیں گے کہ یہ تو بالکل سکھوں کے عقائد توحید کے موافق ہے۔ اور اس میں تو
کوئی بات بھی سکھوں کے خلاف نہیں ہے۔

آخری بات

اب مجھے اپنے مسلمان بھائیوں اور سکھ حضرات سے بطور خلاصہ کے صرف یہ
آخری بات کہنی ہے کہ میری اس ساری سمع خراشی کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ سکھوں
اور مسلمانوں کے عقائد میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک ہی ہیں۔

اور ان دونوں کو گذشتہ زمانہ کے پولٹیکل جھگڑوں کو یاد کر کے آپس میں لڑنا بالکل فضول ہے۔

اور آریہ سماجی حضرات کے بہکانے اور لڑانے سے ان دونوں کو باہم دست و گریباں ہو جانا بڑی نادانی کی بات ہے۔

ہندو بھائی ایک طرف تو سکھوں سے ملاپ کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف امرتسر کے دربار صاحب کے مقابلہ میں دہلی میں اپنا ہندوانہ دربار صاحب علیحدہ بنوا رہے ہیں۔ ان کو بھی یہ تفریق مناسب نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کا فائدہ اس میں ہے کہ سب اقوام مل جل کر رہیں۔

میں نے مسلمانوں کو جھٹکہ کے مسئلہ پر غور کرنے کی ہدایت کی ہے اور سکھوں کو تکبیرے کے گوشت پر غور کرنے کا اشارہ کیا ہے۔

اور میری یہ خواہش تمام خواہشوں سے زیادہ ہے کہ خالصہ بھائی اذان کے مسئلہ پر دلی توجہ سے غور کریں۔ اور گورمکھی میں اگر ترجمہ کی ضرورت ہو تو مجھکو بتائیں تاکہ میں ایک لاکھ کاپی گورمکھی ترجمہ اذان کی چھپوا دوں۔ مگر اسی شرط پر کہ سکھ لیڈر اور گردوارہ پربندھک کمیٹی اس کی تقسیم کا بندوبست اپنے ذریعہ سے کرا دے

بس یہی میرا مقصد تھا جس کو میں نے عرض کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یعنی اکال پورکھ مسلمانوں اور سکھوں کو ان کا مشترکہ راستہ دیکھنے اور سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

۱۳۳۷ھ

حسن نظامی